© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

تمام مسلمان ملکوں کے دینی و علمی حلقوں میں یہ رجحان برابر بڑھ رہا ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں فقہی، کلامی اور بعض دوسرے امور میں، جنہیں کچھ فرقے بنیادی سمجھتے ہیں، بعد اور منافرت ڈالنے والے جو اختلافات چلے آتے ہیں، انہیں ختم کیا جائے، اور ملت کے وسیع دائرے میں یہ سارے فرقے اور مکاتبِ فقہ و کلام اس طرح سموئے جائیں کہ ان کے آپس کے اختلافات کی حیثیت زیادہ سے زیادہ نقطہ ہائے نظر کے اختلافات کی ہو۔ ہماری ملی تاریخ میں یہ فرقے رہے ہیں۔ اور ان میں اختلافات بھی رہے ہیں۔ ان کے وجود سے انکار کرنا تاریخی حقائق سے انکار کرنا ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ یہ اچھا تھا یا برا؟ اور اس کے پیچھے کیا محرکات اور اسباب تھے؟ ہمیں یہاں ان تفصیلات میں نہیں جانا لیکن ان فرقوں کی باہمی مخاصمت و منافرت سے سب کو جو نقصان پہنچا، اور ملت بلندی سے پستی میں جا پڑی کا تمام کو احساس ہے اور یہی چیز اہلِ علم و فکر کو اتحاد بین المسلمین پر مجبور کر رہی ہے۔

اہل السنت کے چار مذاہبِ فقہ کے آپس کے نظری اور عملی جھگڑے برعظیم پاک و ہند میں نہیں رہے۔ کیونکہ یہاں کی غالب اکثریت ایک ہی فقہی مذہب کو ماننے والی تھی۔ لیکن وہ مسلمان ملک جہاں کہ سے زیادہ فقہی مذاہب تھے اور عدالت و قضا کے مناصب پر فقہاء کا تقرر ہوتا تھا، وہاں یہ جھگڑے صدیوں تک رہے اور اکثر یہ بڑی سنگین اور تکلیف دہ صورت اختیار کر لیا کرتے تھے۔ سقوطِ بغداد بہت پہلے سے ان مسلمان ملکوں میں یہ جھگڑے شروع ہو چکے تھے۔ اور جب تک یوسف اثرات کے تحت ان ملکوں عدالتی نظام نہیں رہا، یہ جھگڑے ہوتے رہے۔ بعض دفعہ یہ فقہی تعصب اس حد کو پہنچ جاتا تھا کہ شافعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاکم کسی غیر شافعی المذہب قاضی کا وجود برداشت نہ کرتا تھا۔ اسی طرح حنفی المذہب حاکم دوسرے مذہب کے قاضی کو ہٹائے بغیر دَم نہ لیتا۔ یہ قصہ صدیوں تک چلتا رہا۔ اور ہماری علمی و فقہی تاریخ کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔

یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ وہ مسلمان ملک جہاں عرصہ دراز تک یہ سب کچھ ہوتا رہا، آج ان فقہی مناقشا[ت] سے عملاً پاک ہو چکے ہیں۔ اور وہاں ایسے فقہی قوانین نافذ کئے جا رہے ہیں، جو کسی ایک فقہی مذہب کے نہیں سب فقہوں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ بلکہ اس عملِ اخذ و انتخاب میں سُنّی مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے فرقوں [کے] فقہوں سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔ یہ چیز جو ایک زمانے میں انحراف و گمراہی سمجھی جاتی تھی۔ اب ان ملکوں [کے] نظام قانون کا ایک جزو ہے۔

فقہ کا تعلق چونکہ عملی زندگی سے تھا، اس لئے اس کے بارے میں مکاتب فقہ کے جو اختلافات ہو[تے] تھے، وہ سطح کے اوپر آجاتے اور محسوس کئے جاتے تھے۔ وہ تو اس طرح ختم ہوئے۔ بلکہ اس ضمن میں ان میں ایک اور قدم بھی اٹھایا جا رہا ہے۔ وہاں تدوین قانون کے سلسلے میں بعض ایسے قوانین بھی اختیار کئے جا[تے] ہیں، جو فقہ اثنا عشری کے ہیں۔ اور ان کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ وہ وہاں کے مسائل کا زیادہ صحیح ا[ور] مناسب حل پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد کلامی مباحث آتے ہیں۔ ہمارا بیشتر علم الکلام، یونانی فلسفیانہ افکار نے عباسی دَور میں او[ر] کے بعد عقائد میں جو رخنہ اندازی کی تھی، اس کے توڑ کے لئے وجود میں آیا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں کسی نہ کسی کلامی مسلک سے منسوب ہونا اتنا ہی ضروری تھا جتنا مذاہبِ فقہ میں سے کسی ایک مذہب سے۔ سائ[نسی] دَور نے یونانی فلسفیانہ و کائناتی افکار کا تمام طلسم ہی پاش پاش کر دیا۔ اب ظاہر ہے اُس روایتی علم الکلا[م کی] [و]ہ اہمیت رہی۔ اور نہ اس کی کوئی خاص افادیت ہے۔ برعظیم میں سب سے پہلے سر سیّد احمد خاں نے [پ]رانے علم الکلام کی فرسودگی کی نشان دہی کی۔ ان کے بعد مولانا شبلی نے "الکلام" اور "علم الکلام" لکھ[یں] [اور بت]ایا کہ پرانے علم الکلام کے انبار میں بہت سے موتی ہیں، جنہیں ہم چن سکتے ہیں۔ اس بارے میں علامہ اقب[ال] نے اپنے خطبات میں ملّت اسلامیہ کو ایک نئی راہ دکھائی، جس پر چل کر ہم موجودہ اور آئندہ دَور کے لئے [علم] الکلام مدون کر سکتے ہیں۔

غرض قدیم مکاتبِ کلام مسلمانوں کے فرقوں کے درمیان جو وجہِ اختلاف تھے، وہ بھی اب اپنی اہ[میت]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکے ہیں۔ اور ملت کے مختلف گروہوں کا ذہنًا ایک دوسرے سے قریب ہونا آسان سے آسان تر ہوتا جا رہا ہے۔

مسلمانوں میں ایک بڑا اختلاف سنی و شیعہ کا ہے۔ ہو اس اختلاف کی جڑیں تاریخ میں اور بعض عقائد میں بڑی گہری ہیں لیکن پوری دنیا میں اور بالخصوص اسلامی دنیا میں حالات جس سرعت سے بدل رہے ہیں، اور ان کا رخ جدھر [illegible] ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ توقع [illegible] مسلمانوں کے سنی و شیعہ فرقوں میں بعض عقائد کا بعد تدریجاً کم ہوتا جائے [illegible] نہیں ہوگا۔

[illegible]

اور

میں یہ

زیادہ

اختلافا

یہ اچھا نہ

ان فرقوں

کا تمام کرا

اہل السنہ

ہے۔ کیونکہ یہ

سے زیادہ فقہی

صدیوں تک سے

بہت پہلے سے ان مسلہ

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہترین سرمائے کو بھی اس ثقافت نے اپنے اندر سمو لیا، اور اسے اپنی گم شدہ متاع سمجھا۔ اس طرح یہ ثقافت اگر ا
لحاظ سے مسلمانوں کی مخصوص ملّی ثقافت تھی، تو دوسرے اعتبار سے یہ عالمی ثقافت بھی تھی۔ اور واقعہ یہ ہ
ایک ثقافت کا داخلی طور سے جاندار اور توانا ہونا اور خارجی اعتبار سے مؤثر اور دُور رس ہونا اسی پر منحصر ہو
کہ وہ ایک مخصوص و معین ملّت و قوم اور ایک جغرافیائی سرزمین سے تعلق رکھتے ہوئے اور مضبوط سے مضبو
تعلق رکھتے ہوئے کتنی عالمی اور ہمہ گیر ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآ
تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔ (۱۴: ۲۴)۔ (تو نے نہیں دیکھا کہ کیسے اللہ نے مثال بیان کی۔ اچھ
ایک اچھے درخت کی طرح ہوتی ہے۔ اس کی جڑ مضبوط ہے۔ اور اس کا تنا آسمان میں ہے۔ وہ (درخت) پھل لا
ہر وقت اپنے رب کے حکم سے)۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" کی شرح یہ کرتے ہیں: "اس
جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے۔"

قوموں کے زوال کی ابتدا آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ اسی طرح زوال کے بعد جب انہیں احساسِ زیاں ہ
ہے اور ان کے ہاں اصلاحِ احوال کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، جو آگے چل کر پہلے چھوٹی چھوٹی اور بعد میں بڑی ت
کے محرک بنتے ہیں تو تاریخی لحاظ سے اس امر کا تعین کرنا کہ سُدھار اور بناؤ کے یہ خیالات سب سے پہلے کب
ہوئے۔ اور ان کا باعث کون تھا، بڑا مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال آج پوری دنیائے اسلام میں یہ احساس عام۔
ہم مسلمان جو تقریباً آٹھ سو برس تک دنیا کی تمام قوموں سے نہ صرف سیاسی و معاشی لحاظ سے بلکہ علوم وف
تہذیب و شائستگی اور ان سے متعلقہ امور میں بھی جن سے کہ ثقافت اپنے جامع مفہوم میں عبارت ہے، سب
آگے رہے، گزشتہ تین صدیوں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس ہمہ جہتی پس ماندگی کو دُور کرنے کی ہر جگہ کوششی
ہیں اس کا ایک سبب، جو سب سے بڑا سبب ہے، مسلمان قوموں پر غیر ملکی تسلط تھا۔ خدا نے کیا اس سے تو
مسلمان اقوام کو تقریباً نجات مل گئی ہے۔ اس پس ماندگی کا ایک سبب معاشی پس ماندگی ہے۔ اس سے عہدہ
ہونے اور اسے دُور کرنے کی ہر مسلمان ملک میں اپنی اپنی بساط کے مطابق جدوجہد جاری ہے۔ لیکن یہ سب دراصل
زوال کے مظاہر تھے۔ قوموں کے اندر جو ایک قوتِ حیات، ایک ذہنی توانائی، اخذ و اکتساب کا ایک جذبہ اور تخا
تعمیر و اظہارِ ذات کا ایک ولولہ ہوتا ہے اور یہی حقیقت میں ان کی جاندار اور زندگی بخش ثقافتوں کو جنم
[illegible] میں یہ باطنی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ گئی تھیں۔ آج اگر ہمیں اپنی ہمہ جہ

یہ سرمنہ ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دُور کرنا ہے، اور ساتھ ہی فرقہ پرستیوں اور وطنی قومیتوں کی محدود وفاداریوں سے بلند ہوکر اپنے اندر اسلام کی ملی اور آفاق گیرانہ نظر و فکر پیدا کرنا ہے تو ہمیں زندگی کی باطنی صلاحیتوں کی صحت مند نشو و نما اور ان کی توانائی و ترقی کے لئے اسباب بہم کرنا اور سازگار فضا مہیا کرنا ہوگا۔ اسی سے اسلامی ثقافت میں حیاتِ تازہ پیدا ہوسکے گی اور وہ اس راہ پر گامزن ہونے کے قابل ہوگی جو ملتِ اسلامیہ کو عالمی رفعت و سربلندی کے اس مقام پر پہنچا سکے، جس پر وہ پہلے صدیوں تک فائز رہی ہے۔

یہ اسلامی ثقافت ملت کو ایک وحدت بخش سکتی ہے اور اسے موجودہ تنگنائیوں سے نکال سکتی ہے۔

ہر مسلمان قوم آج اپنی تاریخی روایات اور قومی رجحانات و سیاسی حالات کے مطابق عہدِ اقبال کی اسلامی ثقافت کے احیاء میں کوشاں ہے۔ اس کے لئے ایک تو اس عہد کے علوم و فنون کے ساتھ ذہنی رشتہ استوار کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کیونکہ ذہن کو آگے قدم بڑھانے کے لئے اپنے ماضی کے ورثے سے ربط پیدا کرکے اس سے توانائی و روشنی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ تسلسلِ تاریخی کے بغیر ذہن میں نہ وسعت پیدا ہوتی ہے اور نہ گہرائی۔ اس سلسلے میں اسلامی علوم و فنون اور ادب و شعر کی پرانی کلاسیکی کتابیں ایڈٹ کرکے مقدموں اور حاشیوں کے ساتھ شائع کی جا رہی ہیں۔ ان کتابوں کے متون کی اشاعت سے اس عہد کی ثقافت سے براہِ راست تعارف ہوسکے گا۔ اور مقدموں اور حاشیوں کے ذریعہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ان کتابوں کے دَور اور موجودہ دَور کے درمیان جو فکری خلیج پیدا ہوگئی ہے اسے بھر اجائے تاکہ اس طرح اسلامی ذہن کو ایک فکری تسلسل مل جائے اور اسے آگے بڑھنے میں دقت نہ ہو۔

مثال کے طور پر آج سے کوئی ایک صدی قبل جب جامعہ ازہر کی جمود پرستی نصاب تعلیم میں کسی قسم کی اصلاح کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ مصر میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی اور شیخ محمد عبدہٗ اس میں مقرر ہوئے تو انھوں نے عام روش سے ہٹ کر ادب میں نہج البلاغہ اور تاریخ میں ابن خلدون کو پڑھانا شروع کیا اور یہ صرف مصر میں نہیں ہوا بلکہ دوسرے عرب اور مسلمان ملکوں میں اسی طرح "جدید" کی بنیاد "قدیم" پر رکھی گئی بے شک وہ زمانے کے اعتبار سے قدیم تھا، لیکن وہ ایسا قدیم تھا جو قدیم ہونے کے باوجود ہمیشہ جدید رہتا ہے۔

خود اس برِ عظیم میں سرسیّد احمد خان کی دعوتِ اصلاح، جو بعض امور میں اس انتہا پر پہنچی کہ قومی ذہن نے ا۔۔ یک بھی اس کے ان حصوں کو قبول نہیں کیا، قدیم سے علمی و ذہنی ربط قائم رکھنے میں برابر کوشاں رہی۔ یہ منید۔۔ سرسیّد ہی تھے، جنہوں نے آثار الصنادید لکھی اور ابوالفضل کی آئین اکبری کو ایڈیٹ کرکے چھپوایا، انھوں نے اپنی تحر۔۔ عقلیت کے لئے امام غزالی، ابن رشد اور ابن الہیثم وغیرہ سے مدد لی۔ اور ان کے رسالوں کا اختصار کرکے اہ۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شائع کیا۔ اور تو اور ان کی تفسیر القرآن میں اپنی جدت آفرینیوں کی تائید میں سب سے زیادہ حوالے شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں سے ہیں۔ سرسید کی یہ کوشش کہاں تک اقرب الی الصواب تھیں، ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں، لیکن اصل مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اس دَور میں بھی قدیم کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اور اس کی اساس پر جدید کی عمارت اٹھانے کی کوشش کی گئی۔

مسلمان ملکوں میں سب سے پہلے ترکی اور اسی زمانے میں مصر کے یورپ سے علمی روابط کا آغاز ہوا۔ محمد علی پاشا (۱۷۶۹ - ۱۸۴۹ء) نے مصر سے قدیم طرز پر تعلیم یافتہ اصحاب کو پیرس بھیجا، اور انھوں نے وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد فرانسیسی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے۔ اسی طرح ترکی میں یورپی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ عالم اسلام میں "جدید" کی طرح یوں پڑی۔ افسوس مسلمان اقوام نے یورپ سے اپنے ان علمی روابط کا اس طرح فائدہ نہ اٹھایا، جیسے جاپان فائدہ اٹھا کر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے تاریخی حالات کی بنا پر ان میں وہ صلاحیتیں نہیں تھیں، جو جاپانی قوم میں اس وقت تھیں۔

بہر حال اس کا سبب کچھ بھی ہو، واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اقوام جدید کی طرف اس سرعت سے نہ بڑھ سکیں جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قدیم کو زندہ کرنے اور اس سے مستفیض ہونے کی رفتار بھی سست رہی، نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ثقافت میں نہ تو تازگی آئی اور نہ توانائی۔ اور ایک طرف جدید اور قدیم ایک دوسرے سے الگ الگ رہے اور ان میں ہم آہنگی پیدا نہ کی جا سکی۔ اور دوسرے دونوں کی فعالیت کما حقہ بروئے کار نہ آسکی۔

برعظیم پاک و ہند میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، قدیم و جدید دونوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھنے کی ہمت سر احمد خان نے کی تھی۔ لیکن ان کی زندگی ہی میں اس سے بے اعتنائی برتی جانے لگی اور سارا زور صرف جدید تعلیم حاصل کرنے پر لگا دیا گیا۔ سرسیّد کے بعد مولانا شبلی نے قدیم کو جدید وضع میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ انھوں نے قدیم کو نئے طبقوں کے لئے ایک حد تک مشعلِ راہ بنایا۔ چنانچہ ان کی تصنیفات سوانح مولانائے روم، امام غزالی، المامون، النعمان، الکلام اور علم الکلام وغیرہ آج بھی پڑھی جاتی ہیں۔ اور ان کے بے شمار فلسفیانہ اور تاریخی مضامین قدیم کی زندہ جاوید قدروں سے متعارف کراتے ہیں۔ افسوس یہ سلسلہ یہیں تک رُک گیا۔ قدیم و جدید کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور دونوں میں فکری بُعد کی وجہ سے جو تباعض پیدا ہو گیا تھا، اسے دُور کرنے، اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی جو کوششیں ہو رہی تھیں، وہ تقریباً ختم ہو گئیں۔ قدیم نے جدید سے یکسر منہ موڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا، یعنی ذہنی وفکری لحاظ سے، ورنہ قدامت پرستی سے قدامت پرست افراد زندگی کے جدید اسالیب و وسائل کو اپنا رہے ہیں۔ اور جدید قدیم سے بے پرواہ ہوگیا۔ اس طرح دونوں میں ذہنی فاصلے اور بڑھ گئے۔ اور اس کی وجہ سے طرفین میں طرح طرح کی بدگمانیاں راہ پا گئیں۔

ضرورت دراصل جدید کو اپنا کر جدید سے مراد جدید علوم وفنون اور جدید سائنسی نظر وفکر ہے۔ اسے قدیم سے علمی و ذہنی طور پر مربوط کرنے کی ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ اسلامی ثقافت اگر ملی تھی تو اس کے ساتھ ساتھ وہ عالمی و آفاقی بھی تھی۔ اور اس نے اپنے دور اقبال میں اس زمانے کے سب علوم کو حاصل کیا، اور ان کو چھانا پھٹکا اور ان میں سے جو مفید تھا، اسے اخذ کیا۔ ہم نے جب اسلامی ثقافت کی عالمی حیثیت کو سامنے نہ رکھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ذہن بتدریج تنگ ہوتے گئے۔ اور ہم میں فرقہ پرستی آ گئی۔ بلکہ ایک فرقے کے اندر چھوٹی چھوٹی جماعتیں پیدا ہو گئیں، جو صدیوں سے آپس میں باہم دست و گریباں ہیں۔

قدیم کو جدید رنگ میں پیش کرنے اور جدید کو صرف قدیم تک محدود رکھنے والوں کے لئے قابل فہم بنانے کا [illegible]

[illegible]

حا

تج

کے لئے

سے ہم

دوسر

قدیم ذ

تک ب

سرسید

عقلیت

© rasailojaraid.com